© rasailojaraid.com

الازہر میں فتویٰ نگاری کا منہج

(تاریخی جائزہ)

* ڈاکٹر تاج الدین الازہری

Jami'a al-Azhar is one of the oldest and renowned educational institutions of the Muslim World formed in the year 361 AH/972 CE in Cairo during the Fatmid's dynasty. In the eleventh century, the Ottoman Empire gave the institution highest religious status and the authority to give opinions and issue Fatawa (religious directives). Up till today, fourty-five religious scholars belonging to different schools of thought have been honoured with the highest status of Shaykh al-Azhar. The manifesto of this institution was propagation of Islam and guidance to the public without any prejudice.

This article aims to historically analyse the methodology adopted by al-Azhar for issuing Fatawa. The article discusses the historical evolution of Fatawa issued from 1885 till date. The article specifically highlights the developments in the issuance of Fatawa undertaking the contemporary issues of the Muslim Ummah keeping in view the principle objective of promoting peace and harmony among the Muslims around the world.

The prominent feature of the Azhari Fatawa is that they were not only derived from the fundamentals of Qur'an and Sunnah but also addressed the emerging religious, social, economic and political needs of the people in light of the changing world scenario.

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تربیت کے لیے مسجد نبوی کو مرکز بنایا، چنانچہ بعد میں آنے والے مسلمان فاتحین نے جب بھی کوئی شہر فتح کیا یا نیا آباد کیا تو اس میں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مسجد ہی کو مرکزی جگہ قرار دیا۔ 14ھ میں جامع بصرہ تعمیر ہوئی۔ 16ھ میں جامع کوفہ اور 20ھ میں فسطاط میں جامع عمرو بن العاصؓ تعمیر کی گئی۔ امویوں کے بعد جب عباسیوں نے حکومت سنبھالی تو انہوں نے فسطاط کے شمال میں 33ھ میں جامع العسکر بنائی اور اس کے بعد اس کے شمال مشرق میں 266ھ میں جامع احمد بن طولون تعمیر ہوئی۔(1)

جامع الازہر کی تعمیر کا سہرا فاطمیوں کے سر ہے جن کی حکومت تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں مراکش،

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، کلیۃ الدراسات الاسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صقلیہ، شام، فلسطین، حجاز، یمن اور مصر کے علاقوں پر قائم تھی یہ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ اور آپ ﷺ کی۔ صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب کرتے تھے، تاہم ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے مصر اور عالمِ اسلام کو جامع الازہر کی صورت میں علمی مرکز عطا کیا۔

فاطمیوں نے مراکش پر اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد مصر کی سیاسی، جغرافیائی اور جنگی اہمیت کے پیش نظر اسے فتح کرنے کا فیصلہ کیا تو جوہر صقلی کی قیادت میں ایک لشکر حملے کے لیے روانہ ہوا، جوہر صقلی نے سب سے پہلے اسکندریہ کو فتح کیا اور وہاں سے دیگر مصری علاقے فتح کرتا ہوا 11 شعبان 358ھ کو فسطاط تک پہنچ گیا۔ اس نے تمام اہلِ مصر کو خواہ وہ فوجی تھے یا عام افراد جان و مال کی امان عطا کی اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کی دینی آزادی برقرار رہے گی، کسی کے دین میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی، ہر آدمی سکھ اور چین سے رہے گا اور ہر ایک سے عادلانہ سلوک کیا جائے گا۔(2)

جوہر صقلی نے فسطاط پر قبضے کے بعد 17 شعبان 358ھ کو قاہرہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد 14 رمضان 359ھ کو اس نے نئے شہر کی جامع مسجد کی تعمیر شروع کرائی اور اپنی نگرانی میں اسے دو سال میں مکمل کرایا۔ مسجد میں پہلی نماز جمعہ 7 رمضان 361ھ کو ادا کی گئی۔(3)

اس مسجد کا نام نئے دار الحکومت کی نسبت سے جامع القاہرہ ہی تھا اور اسی نام سے یہ فاطمی دور میں مشہور رہی۔ اس دور کے اکثر مورخین اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں اور کم ہی کوئی اسے جامع الازہر لکھتا ہے۔ جامع الازہر کے نام سے یہ العزیز باللہ کے دور میں مشہور ہوئی، کیونکہ اس دور میں اس کے ارد گرد فاطمی محلات تعمیر ہو گئے تھے جن کا نام ''القصور الزاہراہ'' تھا، چنانچہ اسی نسبت سے ان کے درمیان موجود مسجد کو جامع الازہر کہا جانے لگا، کیونکہ یہ ان محلات کے لیے سرکاری مسجد بھی تھی۔ جامع الازہر کی نسبت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی طرف ہے جب کہ فاطمی اپنے آپ کو انہی سے منسوب کرتے تھے۔(4)

الازہر بحیثیت علمی درسگاہ:

الازہر کا آغاز اگرچہ دینی شعائر کی ادائیگی کے ایک مرکز کی حیثیت سے ہوا تھا مگر اس نے جلد ہی ایک علمی مرکز کی حیثیت بھی اختیار کر لی۔ 378ھ تک الازہر میں تعلیم کا انتظام عام درس و تدریس کی شکل میں چلتا رہا۔ اس کے بعد جب یعقوب بن کلس نے تدریس کا منصب سنبھالا تو اس نے خلیفہ سے علماء کی ایک کمیٹی بنانے کی سفارش کی، تاکہ وہ الازہر کے لیے نصاب وضع کرے اور دنیا کی تاریخ نے دیکھا کہ پہلی بار ایک مسجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کسی نصاب کے تحت تدریس کا انتظام کیا گیا۔ یعقوب بن کلس کے دور میں الازہر میں تعلیم کے لیے چار قسم کے حلقے تھے۔

حلقہ تفسیر قرآن

اس میں عوام اور خواص دونوں قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے۔

استاد کا خصوصی حلقہ:

اس میں صرف طلبہ شریک ہوتے تھے اور انہیں یعقوب بن کلس اپنی کتاب ''مختصر الفقہ'' کا درس دیتا تھا جو بعد میں ''الرسالۃ الوزیریۃ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں دینی مسائل کو فقہ اسماعیلی کے مطابق ترتیب دیا گیا تھا۔

عورتوں کا حلقہ درس:

اس حلقے میں بھی یعقوب بن کلس خود اپنی کتاب کا درس دیتا تھا تاکہ عورتیں بھی دینی مسائل سے آگاہ ہوسکیں۔

مجالسِ حکومت:

ان مجالس کا انعقاد صرف سوموار اور جمعہ کے روز ہوتا تھا۔ ان میں ایک اکیڈمی کی طرز پر تفسیر، حدیث اور فقہ کے موضوعات پر مختلف قسم کے سوالات زیرِ بحث لائے جاتے تھے۔ ان مجالس میں صرف اہل علم ہی شریک ہوسکتے تھے۔ (5)

یہ مجالس کسی اجتماعی رائے تک پہنچنے کے لیے ایک اکیڈمی کا کام دیتی تھیں۔ ان کا انعقاد وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہوگیا۔ فاطمی دور میں الازہر کے نصاب پر دینی اور لغوی رنگ غالب رہا جس میں تفسیر، حدیث، فقہ مسالک اربعہ، شیعی امامی اور فقہ اسماعیلی کی تعلیم دی جاتی تھی، مگر اس کے ساتھ ساتھ منطق، حساب، ہندسہ، علم جبر اور علم فلک بھی پڑھائے جاتے تھے۔ (6)

صلاح الدین ایوبی نے 567ھ میں مصر پر قبضے کے بعد جامع الازہر میں خطبہ جمعہ بند کرا دیا اور اسے شیعیت سے سنیت کے راستے پر ڈال دیا، مگر اس کے بنیادی اصولوں کو اسی طرح قائم رکھا، چنانچہ الازہر میں اہلِ سنت کے مسالکِ اربعہ کی تعلیم جاری رہی (7) اور اس وقت سے اب تک اس کے دروازے تمام مسالک کی تعلیم کے لیے کھلے ہیں۔ ایوبی دور میں تمام فقہی مسالک کی تعلیم دی جاتی (8) تھی، مگر قضاء میں امتیازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقام شافعی مسلک کو حاصل تھا۔ 665ھ میں جب سلطان ظاہر بیبرس نے مصر کی حکومت سنبھالی تو اس نے نہ صرف جامع الازہر میں خطبہ جمعہ کو بحال کر دیا بلکہ مسلکی توازن برقرار رکھنے اور شافعی قاضیوں کو من مانی کرنے سے روکنے کی غرض سے عدالت میں دیگر مسالک کے قضاۃ کو بھی بٹھا دیا۔ (8) یوں الازہر میں ایک دفعہ پھر اخوت ومحبت اور توسع واعتدال کا ماحول قائم ہو گیا۔

الازہر کی مسند علمی کے اصحاب فتویٰ:

الازہر کے قیام کا اصل مقصد دین اسلام کی نشر واشاعت اور عوام کی بلاتعصب رہنمائی کرنا تھا، اس لیے فاطمی دور میں جہاں اس سے تعلق رکھنے والے اکثر علماء شیعہ فقہ کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، وہیں کبھی کبھی غیر شیعہ قاضیوں کا تقرر بھی عمل میں آ جاتا تھا، جیسے قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامہ القضاعی کا 454ھ میں تقرر عمل میں آیا۔ یہ شافعی المسلک تھے اور فقیہ ہونے کی حیثیت سے بہت سی کتابوں کے مصنف بھی۔ فاطمی دور میں یہ الازہر کے مدرس اور مفتی رہے ہیں۔ (9)

فاطمی دور میں جن شیعہ فقہاء نے اس علمی مرکز سے لوگوں کو دینی رہنمائی فراہم کی ان میں یعقوب بن کلس، ابوالحسن علی بن النعمان المغربی اور جمال الدین بن ہبۃ اللہ جیسے علماء شامل ہیں۔ ایوبی دور میں جن علماء نے الازہر کی مسند علمی سے بذریعہ فتویٰ عوام کی رہنمائی کی ان میں مشہور محدث زکی الدین منذری الشافعی، ایک اور محدث سعد الدین بن الحارثی الحنبلی اور مشہور صوفی بزرگ شہاب الدین السہروردی شامل ہیں۔ (10)

مملوک دور میں شمس الدین الزواوی المالکی اور بدر الدین الدمامینی نے اس مسند علمی کو شرف بخشا۔ ان کے بعد سراج الدین بلقینی، بدر الدین ابن جماعۃ، الحافظ ابن حجر، علامہ سخاوی، عبدالوہاب شعرانی اور علامہ سیوطی جیسے اصحابِ فتویٰ اس منصب پر فائز رہے اور دینی مشکلات کے حل میں عوام کی رہنمائی کرتے رہے۔ (11)

گیارہویں صدی ہجری میں عثمانی حکومت نے الازہر کی دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اسے سب سے بڑے دینی اور علمی مرکز کی حیثیت دے دی اور اس کے شیخ کو مصر کے شیخ الاسلام کا درجہ دے دیا جسے بعد میں شیخ الازہر کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ شیخ الازہر کی حیثیت محض ازہر کے ایک منتظم ہی کی نہیں۔ بلکہ عالمِ اسلام کے ایک علمی ودینی قائد ورہنما کی بھی تھی۔ وہ اپنی دینی آراء اور فتووں کے ذریعے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ اس منصب پر فائز ہونے والی پہلی شخصیت الشیخ ابو عبداللہ محمد الخرشی المالکی (م 1101ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تھی، جبکہ آج کل اس منصب جلیل پر ڈاکٹر احمد الطیب فائز ہیں۔ الازہر کے اس جلیل القدر منصب پر فائز ہونے والے اہلِ علم کا تعلق مختلف فقہی مسالک سے رہا ہے، کیونکہ اس منصب کے لیے کسی خاص فقہی مسلک سے وابستہ ہونا شرط نہیں (12) اب تک 45 ممتاز اہلِ علم اس منصب پر فائز رہ چکے ہیں اور سب کے سب اعتدال کے ساتھ اور کسی تعصب کے بغیر امتِ اسلامیہ کی بہتری کے لیے فتوے دیتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کے فتاویٰ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں جیسے فتاویٰ الشیخ محمود شلتوت اور فتاویٰ الشیخ عبدالحلیم محمود۔

الازہر میں دارالافتاء کا قیام

الازہر کی تاریخ میں 1305ھ/1885ء سے پہلے کسی دارالافتاء کے قیام کا سراغ نہیں ملتا۔ علماء کبھی سرکاری طور پر اور کبھی غیر سرکاری طور پر یہ کام کرتے رہے ہے۔ 7 جمادی الثانی 1305ھ بمطابق 21 نومبر 1885ء سے ازہری فتاویٰ کو باقاعدہ لکھنے کا آغاز ہوا۔ اس وقت کے شیخ الازہر الشیخ حسونہ نواوی کے فتاویٰ کو باقاعدہ ضبطِ تحریر میں لایا گیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد 24 محرم الحرام 1371ھ مطابق 3 جون 1899ء کو الشیخ محمد عبدہ کا تقرر بحثیت مفتی عمل میں آیا۔ (13) اس وقت سے اب تک باقاعدہ مفتی مصر کا تقرر کیا جاتا ہے۔ اس منصب پر فائز ہونے والی شخصیات میں سے چند ایک یہ ہیں: الشیخ محمد عبدہ، الشیخ محمد بخیت مطیعی الشیخ عبدالرحمٰن قراعۃ، الشیخ حسنین محمد مخلوف (14)

ہیئۃ کبار العلماء

الازہر کی ہزار سالہ تاریخ اس کے شاندار علمی و تحقیقی سفر کی داستان ہے۔ اس عرصے میں الازہر کے زیرِ اہتمام کئی علمی ادارے وجود میں آئے۔ 1911ء میں الازہر میں ہیئۃ کبار العلماء کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سربراہ الشیخ سلیم بشری تھے اور تیس بڑے بڑے علماء اس کے رکن تھے۔ ان میں سے ہر ایک علوم اسلامیہ کے کسی نہ کسی شعبے میں متخصص تھا۔ ان کا کام جہاں الازہر کے اندر اسلامی علوم کی تدریس تھا وہیں دینی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرنا بھی تھا۔ اس کمیٹی کا رکن بننے کے لیے درجِ ذیل شرائط مقرر کی گئی تھیں:

* رکن کی عمر 45 سال سے کم نہ ہو۔
* وہ الازہر کے اندر دس سال تک علومِ اسلامیہ کی تدریس سے وابستہ رہا ہو اور اس نے مذکورہ عرصے میں کم از کم چار سال درجہ عالیہ کی تدریس میں گزارے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

*علومِ اسلامیہ کے کسی نہ کسی فن میں اس کی کوئی تصنیف ہو یا پھر اس کی علمی خدمت کے اعتراف میں اسے کسی ایوارڈ سے نوازا گیا ہو۔

*وہ صاحب تقویٰ ہو اور بے داغ کردار کا مالک ہو۔(15)

لجنۃ کبار العلماء

ہیئۃ کبار العلماء کا نظام تقریباً ربع صدی اسی طرح چلتا رہا۔ جب الشیخ مصطفیٰ المراغی کا دور آیا تو 12 جمادی الاولیٰ 1354ھ مطابق 11 اگست 1935ء کو ہیئۃ کبار العلماء کی جگہ لجنۃ کبار العلماء نے لے لی۔ یہ کمیٹی ایک چیئرمین اور گیارہ ارکان پر مشتمل تھی جن میں تین حنفی، تین مالکی، تین شافعی اور دو حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کمیٹی کا کام دینی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرنا اور دینی امور سے متعلق ان کے سوالوں کے جواب دینا تھا۔ اگر سوال کسی خاص مسلک کے حوالے سے پوچھا جاتا تو کمیٹی اس مسلک کے مطابق جواب دیتی ورنہ کتاب وسنت، اجماع، قیاسِ صحیح اور سائل کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے محکم دلائل کے ساتھ جواب دے دیا جاتا، مثلاً یہ سوال کہ شادی کی حرمت کے لیے کتنی رضعات شرط ہیں؟ فقہائے اربعہ کا اس میں اختلاف ہے۔ کسی نے ایک کہا ہے، کسی نے تین اور کسی نے پانچ اور وہ بھی یقین کے ساتھ اور دو سال کی عمر تک پہنچنے کے دوران۔ کمیٹی کا فتویٰ آخری قول پر ہے جو امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ہے، کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہے اور یہ دلیل کے اعتبار سے مضبوط بھی ہے۔(16) یہ کمیٹی ایک مہینے میں چار بار اجلاس منعقد کرتی اور گھنٹوں بحث وتمحیص کے بعد دس فتوے جاری کرتی تھی۔ صرف 1936ء میں اس کمیٹی سے 2148 فتوے پوچھے گئے، کمیٹی نے دو ہزار کا جواب دیا جن میں سے 30 فیصد طلاق، 35 فیصد میراث، 15 فیصد رضاعت اور 20 فیصد متفرق موضوعات سے متعلق تھے، مگر زیادہ تر کا تعلق عبادات اور معاملات ہی سے تھا۔(17)

جماعۃ کبار العلماء

1930ء میں اس کمیٹی کا نام لجنۃ کبار العلماء سے بدل کر جماعۃ کبار العلماء رکھ دیا اور اس کے ارکان کے انتخاب میں سابقہ شرائط کو برقرار رکھتے ہوئے مزید شرائط کا اضافہ کر دیا گیا، جن میں سے ایک شرط یہ تھی ''اس کمیٹی کا رکن بننے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس نے دینی علوم کے فروغ میں اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہو خواہ الازہر کے اندر رہ کر کیا ہو یا الازہر سے باہر، مزید براں اس نے کوئی ایسا علمی مقالہ پیش کیا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس سے علمی بحث کا کوئی نیا پہلو اجاگر ہوتا ہو“(18)

مجمع البحوث الاسلامیہ کا قیام

1961ء میں جماعۃ کبار العلماء بھی ختم کر دی گئی۔ صدر جمال عبدالناصر کی طرف سے جاری کردہ انقلابی قانون نمبر 103 کی رو سے الازہر کی عربوں اور امت اسلامیہ۔کے لیے خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اسے اسلامی ثقافت اور دینی امور کی توضیح وتشریح کا سب سے بڑا ادارہ قرار دیا گیا۔اس قانون کے ذریعے شیخ الازہر کو”الامام الاکبر“ کا درجہ حاصل ہوگیا اور اس کی رائے دینی امور میں حتمی قرار پائی۔الازہر کو پہلے سے زیادہ بہتر طریقے سے چلانے کے لیے اسے پانچ بڑے اداروں میں تقسیم کر کے شیخ الازہر کو ان کا نگران بنا دیا گیا۔ یہ پانچ ادارے یہ ہیں: مجلس اعلیٰ برائے الازہر، مجمع البحوث الاسلامیہ، ادارۃ الثقافۃ والبعوث الاسلامیہ، جامعۃ الازہر، الازہری سکول سسٹم۔(19)

مجمع البحوث الاسلامیہ 1961 کے قانون نمبر 103 کی دفعہ 15 کے تحت وجود میں آنے والا الازہر کا دوسرا بڑا ادارہ ہے جو اسلام کے بارے میں بحث وتحقیق کا اہتمام کرتا ہے،اس کا کام اسلامی ثقافت کی تجدید اور اسے ہر قسم کے سیاسی اور مذہبی تعصبات کے اثر سے پاک کر کے اصل رنگ میں پیش کرنا ہے۔

مجمع البحوث کے ذیلی ادارے

(ا)ادارہ البعوث الاسلامیہ:

یہ ادارہ دنیا میں کام کرنے والی اسلامی تنظیموں کی درخواست پر علماء اور مدرسین کو مختلف ممالک میں بھیجتا ہے، تاکہ وہ اسلامی ثقافت کی ترویج اور اسلام کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دے سکیں۔(20)

(ب)مراقبۃ البعوث الاسلامیۃ:

اس کا کام بیرونِ مصر سے آنے والے طلبہ کے تعلیمی امور کی دیکھ بھال کرنا اور دورانِ تعلیم انہیں سہولتیں مہیا کرنا ہے۔ یہ ادارہ الازہر کے مصری طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے دیگر ممالک میں بھیجنے کا انتظام بھی کرتا ہے۔(21)

(ج)لجنۃ الفتویٰ

الازہر کی عظیم الشان علمی روایت اور دینی علوم میں اس کے بلند مرتبے کے پیش نظر دنیا بھر سے لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی دینی مشکلات میں رائے لینے کے لیے شیخ الازہر کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جب الازہر کے تحت بہت سے تعلیمی ادارے وجود میں آگئے اور شیخ الازہر کے لیے ہر شخص کے سوال کا جواب دینا ممکن نہ رہا تو انہوں نے سائل کے مسلک کی مناسبت سے استفسارات مسالک اربعہ کے جلیل القدر علماء کو بھیجنا شروع کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے مسلک کے مطابق جواب دے دیتا تھا، جو اگرچہ علمی طور پر تو درست ہوتا تھا مگر ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں اس سے ملتِ اسلامیہ کی وحدت پاش پاش نہ ہو جائے۔ یہ ایک بہت بڑا خطرہ تھا جس کے ازالے کے لیے الشیخ مصطفیٰ المراغی نے 1935ء میں الشیخ حسین کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دے دی جس کا ذکر لجنۃ کبار العلماء کے ضمن میں آچکا ہے۔ چاروں مسالک کے جلیل القدر علماء کو اس میں نمائندگی دیتے ہوئے انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ کسی خاص مسلک کی قید کے بغیر راجح دلیل، آسانی، عرفِ عام اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح فتویٰ دیں کہ اس میں امت کی بہتری ہو۔ الشیخ حسین کے بعد اس کی سربراہی الشیخ عبدالطیف فحام کو دی گئی۔ ان کے بعد الشیخ مامون الشناوی سربراہ ہوئے اور یوں ایک کے بعد دوسرا کوئی نہ کوئی جلیل القدر اور ممتاز ازہری عالم ہی اس کا سربراہ بنتا رہا لیکن کمیٹی کے فتویٰ دینے کا طریق کار وہی رہا جو الشیخ المراغی نے طے کر دیا تھا، اور کمیٹی اب تک اس پر قائم ہے۔(22)

الازہر میں اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران میں اس طریقِ کار کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ اس وقت کے شیخ الازہر جاد الحق علی جاد الحق سے ایک سائل نے پوچھا کہ آپ کبھی ایک مسلک کے مطابق فتویٰ دے دیتے ہیں اور کبھی دوسرے کے مطابق۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''تمہارا کام اپنی مشکل کو سوال کی صورت میں پیش کرنا ہے، اب اس کا شرعی حل فراہم کرنا ہمارا کام ہے۔ ہم جس مسلک کی رائے کو حالات اور دلائل کے اعتبار سے بہتر سمجھتے ہیں اسی کے مطابق فتویٰ دے دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے ہمیشہ اسلام اور ملک و قوم کا مفاد ہوتا ہے۔ فرد کے مسلک کا نہیں''۔

الشیخ المراغی نے افتاء کے لیے نہ صرف راہ متعین کی بلکہ مزید آگے بڑھ کر اسلامی مسالک کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور ان میں وحدت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے لیے انہوں نے شیعہ قیادت سے مذاکرات کیے اور آغا خان سے 11 فروری 1938ء کو ملاقات کی۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ایران کا دورہ بھی کیا تھا۔ جس کے مقاصد درجِ ذیل تھے:

☆ مسلمانوں کے درمیان رابطوں کو فروغ پہنچایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ ان کے تعلیمی اداروں خصوصاً دینی تعلیمی اداروں کے درمیان قربت اور وحدت پیدا کی جائے۔

☆ دینی قواعد اور اسلامی تعلیم کو آسان بنا کر پیش کیا جائے تا کہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو سکیں۔ (23)

انہوں نے حنفی المسلک ہونے کے باجود کئی مرتبہ حنفی آراء کے خلاف فتویٰ دیا، مثلاً انہوں نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا اور اس کے مطابق شرعی عدالت سے فیصلہ سنایا۔ اسی طرح انہوں نے اس عورت کا دعویٰ سننے سے انکار کر دیا جو بچے کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے، جب کہ میاں بیوی کے درمیان ایک سال سے زیادہ عرصے سے ملاپ ہی نہ ہوا ہو، خواہ یہ خاوند کے غائب ہونے کی وجہ سے ہو یا طلاق کی وجہ سے۔ اس بارے میں انہوں نے فقہ حنفی کے ان تمام اقوال کو چھوڑ دیا جن میں حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت تین یا چار سال بتائی گئی ہے۔ (24)

الشیخ المراغی کے بعد الشیخ محمود شلتوت نے بھی اسی جرأت کے ساتھ بہت سے اقتصادی مسائل میں اپنی اجتہادی آراء کا اظہار کیا۔ مسائل یہ ہیں: پوسٹ آفس سے وابستہ بینک میں جمع کرائی گئی رقوم پر ملنے والا منافع، باہمی تعاون کرنے والی کمپنیوں کی طرف سے دیا گیا نفع، انشورنس کمپنیوں، مختلف کمپنیوں کے حصص اور بانڈز کی شرعی حیثیت۔ (25)

بینکوں کے نفع کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار سابق شیخ الازہر اور مفتی مصر ڈاکٹر سید طنطاوی نے بھی کیا ہے۔ اس بارے میں ان کی مشہور کتاب ''معاملات البنوک واحکامھا الشرعیۃ'' ایک عرصے سے شائع شدہ ہے۔ اپنی کتاب پر بعض اہلِ علم کے اعتراضات کے بارے میں ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا:

> یہ کہنا کہ مفتی مصر سود کو حلال سمجھتا ہے، بالکل غلط بات ہے۔ ایسی بات تو کوئی بھی صاحب دین وعقل کبھی کہہ نہیں سکتا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص سودی لین دین کو جائز کرے، وہ مرتد اور اسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ اس نے اس چیز کو حلال کیا جو واضح طور پر حرام ہے۔ اب رہی یہ بات کہ میں نے بینکوں کے معاملات جیسے سیونگ سرٹیفکیٹ اور اس سے ملتے جلتے معاملات کو جائز قرار دیا ہے تو الگ بات ہے، اور درست ہے۔ میں نے یہ یونہی نہیں کہہ دیا، بلکہ باہمی مشاورت کے بعد میں نے اسے جائز قرار دیا ہے جس کی تفصیل میری کتاب میں موجود ہے۔ ایسا کہنے مین مین اکیلا نہیں ہوں کہ سیونگ سرٹیفکیٹ اور ایسے تمام معاملات اور ان کا نفع حلال ہے، بلکہ مجھ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے جلیل القدر علماء کی بھی یہی رائے ہے، جیسے عبدالجلیل عیسیٰ، یٰسین سویلم، عبداللہ المشد، محمد سلام مدکور، زکریا البری اور عبدالعظیم برکہ وغیرہ (26)

الازہر سے ہٹ کر اگر ہم علماء دیگر علمائے کرام کی طرف رجوع کریں تو وہ بینکوں میں رکھی گئی رقوم پر ملنے والے نفع کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس سے مکمل اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقمطراز ہیں:

''اسلام جس نقشے پر انسان کی اخلاقی تربیت، تمدنی شیرازہ بندی اور معاشی تنظیم کرنا چاہتا ہے، اس کے ہر ہر جزء سے سود کلی منافات رکھتا ہے اور سودی کاروبار کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور بظاہر معصوم سے معصوم صورت بھی اس پورے نقشے کو خراب کر دیتی ہے۔ (27)

مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں: ''سیونگ اکاؤنٹ کا سسٹم عملاً تو سود پر چل رہا ہے، اگرچہ اس کا نام تبدیل کر دیا گیا ہے''۔ (28)

ازہری علماء میں الشیخ عبداللہ صیام نے 1933ء میں انشورنس کے جواز کا فتویٰ دیا (29) ان کے بعد الشیخ احمد طٰہٰ السوسی نے اسے جائز قرار دیا (30) اور آخر میں مشہور ازہری عالم الشیخ عبدالوہاب خلاف نے 1953ء میں اپنے فتویٰ میں لکھا:

''زندگی کی انشورنس کرانا بالکل صحیح ہے اور یہ کمپنی، اس میں شریک افراد اور سوسائٹی سب ہی کے لیے مفید ہے اور اس میں کسی کے لیے کوئی نقصان نہیں۔ اس میں کسی ایک کا مال کوئی دوسرا حق نہیں کھاتا، بلکہ یہ تو مشترکہ مفاد کے لیے آپس کا تعاون ہے۔ شریعت تو نقصان دہ چیز کو حرام کرتی ہے، یا جس کا نقصان نفع سے زیادہ ہو۔ (31)

جامعۃ الازہر کے ادارے مجمع البحوث الاسلامیہ نے 1925ء میں اپنی دوسری سالانہ کانفرنس منعقدہ قاہرہ میں حکومت کی طرف سے جاری کردہ پنشن کے نظام، بعض دوسرے ممالک میں جاری سوشل سیکیورٹی اور سوشل انشورنس کے نظام کو جائز قرار دیا، تاہم انشورنس کے کاروبار کی وہ صورتیں جن میں تجارتی کمپنیاں کام کرتی ہیں، اس بارے میں مزید تحقیق کرنے کو کہا۔ (32)

اب تک مجمع البحوث الاسلامیہ کے ارکان انشورنس کی تائید اور مخالفت میں دو حصوں میں منقسم ہیں اور کوئی واضح فیصلہ منظرِ عام آسکا، البتہ مؤیدین میں سے ڈاکٹر محمد البہی کی کتاب ''التأمین فی ھدی احکام الاسلام وضرورت المجتمع المعاصر'' منظرِ عام پر آچکی ہے۔ انشورنس کے کاروبار کے بارے میں ازہر کے علاوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیگر علمائے کرام کی آراء بالکل مختلف ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: انشورنس کے بارے میں شرع اسلامی کی رو سے تین اصولی اعتراضات ہیں جن کی بنیاد پر اسے جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا"۔(33)

سعودی ہیئۃ کبار العلماء نے 1397ھ مطابق 1977ء میں ریاض میں اپنے اجلاس میں انشورنس کے بارے میں غور کیا۔ تفصیلی گفتگو اور اس موضوع پر دستیاب مواد کو دیکھنے کے بعد کونسل اس نتیجے پر پہنچی کہ تجارتی بیمہ اپنی موجودہ شکل میں حرام ہے۔ کونسل نے یہ رائے بھی دی کہ تعاونی بیمہ جائز ہے اور وہ تجارتی بیمے کا بدل ہوسکتا ہے۔(34)

اسی طرح رابطہ عالمِ اسلامی نے بھی ایک کمیٹی 1978ء میں تشکیل دی جس کے ارکان الشیخ عبدالعزیز بن باز، الشیخ محمود الصواف اور الشیخ عبداللہ السبیل تھے۔ اس کمیٹی نے بھی تجارتی بیمے کے عدمِ جواز اور تعاونی بیمے کے جائز ہونے کا فیصلہ دیا۔(35)

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی رائے کے مطابق بھی معاہدہ بیمہ (انشورنس) ان اسباب کی بناء پر فاسد، ناجائز اور ممنوع ہے: * اس میں غرر فاحش پایا جاتا ہے، * اس میں قمار کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے، * اس میں سود کا عنصر پایا جاتا ہے۔(36)

اسی طرح ایک مجلس میں تین طلاقوں کے بارے میں ازہری علماء کا موقف بڑا واضح ہے، ان کا کہنا ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی مصر کا قانون بھی ہے۔ سابق شیخ الازہر الشیخ محمود شلتوت اپنے فتوے میں لکھتے ہیں: "ایک مجلس کی تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور آدمی اپنی بیوی سے کلام اور خلوتِ خاص کے ذریعے رجوع کرسکتا ہے"۔(37)

سابق مفتی مصر الشیخ حسنین محمد مخلوف نے ایک ہی مرتبہ دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں لکھا ہے: "شرعی عدالت کا قانون نمبر 25 مجریہ 1927ء اور ہمارے فتوے کے مطابق اس طرح کہنے سے ایک رجعی طلاق واقع ہوگئی ہے، بشرطیکہ سائل نے اس سے پہلے اپنی بیوی کو دو طلاقیں نہ دی ہوں۔(38)

سابق مفتی مصر اور شیخ الازہر الشیخ حسن مامون کا کہنا ہے:

"اگر طلاق کی قسم کھانے والا طلاق کا لفظ بولے اور وہ اس لفظ کو تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا آٹھ مرتبہ ایک ہی گفتگو میں تکرار کے ساتھ کہے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی جس کی دلیل قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت 228 (الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔(39)

ان آراء کے برعکس سعودی عرب کی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء کی رائے میں ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔(40) اسی طرح مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

''ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا طریقہ سنت کے خلاف ہے، مگر اس کا وقوع ہوجائیگا، یہی جمہور علمائے امت اور آئمہ اربعہ کی رائے ہے۔(41)

مولانا گوہر رحمان بھی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

''تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوجاتی ہیں، اگرچہ شوہر یہ دعویٰ کرے کہ تین بار لفظ طلاق دہرانے سے اس کا مقصد تاکید تھی، یا زور دینا مقصود تھا اور نہ میری نیت ایک طلاق دینے کی تھی، تو عنداللہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سچا ہو، لیکن قاضی اور مفتی اس دعوے کو قبول نہیں کرسکتے، اس لیے کہ الفاظ صریح طلاق کے ہیں۔ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی واقع ہوجاتی ہیں۔(42)

ازہری فتووں کا تنقیدی جائزہ:

جیسا کہ مقالے کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب نئے مسائل ابھرے اور حالات کی جدید کروٹوں سے ہمارے سلف کو سابقہ پیش آیا تو اجتہاد کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا، چنانچہ انہوں نے ہر مشکل کے وقت اجتہاد سے کام لیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور ان کے بعد کے بزرگوں کے فقہی اختلاف کو اگر جمع کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ ہر ایک کا نئے مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرنے کا اپنا منہج تھا جو رفتہ رفتہ مسالکِ اربعہ کی صورت اختیار کرگیا۔ ان چار فقہاء کے علاوہ بھی امت میں کئی ایسے بزرگ علمی مرتبے پر فائز رہے جن کی آراء ان چار فقہاء سے مختلف ہونے کے باوجود قابلِ احترام وعمل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب الازہر میں چوتھی صدی ہجری میں تدریس کا آغاز کیا گیا تو اس کے نصاب میں تفسیر، حدیث، فقہ مسالک اربعہ، فقہ شیعی امامی اور فقہ اسماعیلی کو شامل کیا گیا جس کی وجہ سے ازہری علماء ہمیشہ مسلکی تنگ نظری سے پاک رہے اور فقہی جمود کا شکار نہ ہوئے۔

1935ء میں شیخ الازہر الشیخ مصطفیٰ المراغی نے فتویٰ دینے کے لیے جو ہدایات جاری کیں ان میں ہمیں الازہر کے اس تاریخی منہج کی عکاسی نظر آتی ہے۔ انہوں نے فتویٰ کمیٹی کو ہدایت کی کہ وہ کسی خاص مسلک کی قید کے بغیر راجح دلیل، آسانی اور عرف عام کی بنیاد پر امت کی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے فتویٰ دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گزشتہ صفحات میں عمومی زندگی میں پیش آنے والے مختلف مسائل سے متعلق ازہری علماء کی جو آراء نقل کی گئی ہیں، اگر انہیں دیگر علمائے امت کی آراء کے تقابل میں دیکھا جائے تو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ اکثریتی اور عمومی موقف سے ہٹ کر ہیں، لیکن اگر انہیں ازہری منہج کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آراء اپنے منہج کے عین مطابق ہیں۔ ازہری علماء نے یہ آراء دیتے وقت جہاں کتاب وسنت کی نصوص، ان کے اسباب وعلل کو سامنے رکھا ہے، وہاں زمانے کا تغیر اور لوگوں کی ضرورتیں بھی ان کے پیش نظر رہی ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ بعض جگہ انہوں نے شرعی نصوص کی ایسی تاویل کردی جو دیگر علمائے امت کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔

بینک کی بچتوں پر ملنے والا نفع اور انشورنس میں انہوں نے آپس کے تعاون اور عدمِ ضرر کے اصول کو سامنے رکھا ہے، جو مشہور فقہی قاعدے ''لاضرر ولاضرار فی الاسلام'' کے بھی عین مطابق ہے۔ اس کی صراحت انہوں نے اپنی آراء کے ساتھ بھی کردی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے دین کے اندر رہتے ہوئے اور دینی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے لوگوں کی معاصر مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، اگرچہ اس کے لیے انہیں بعض اوقات مسالک اربعہ کو نظر انداز کرنا پڑا۔ اس کی مثال ایک مجلس میں تین طلاقیں ہیں جنہیں انہوں نے ایک رجعی طلاق قرار دیا اور اس پر مصری قانون سے عمل بھی کروایا۔ ہمارے ہاں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تلاش کیے جاتے ہیں۔

اگر ہم دیگر مسائل میں ازہری علماء کی رائے دیکھیں تو اگرچہ دیگر علمائے امت نے ان سے اختلاف کیا ہے، مگر عالمِ اسلام میں آج بھی ازہری آراء پر ہی عمل ہو رہا ہے۔ اس سے ازہری منہج اور علمائے ازہر کی آراء کی صحت واضح ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

(1) محمد کمال السید، الازہر جامعاً وجامعۃ اومصر فی الف عام، قاہرہ، مجمع البحوث الاسلامیہ، 1986ء ص: 7

(2) الامانۃ العامۃ للازہر، الازہر تاریخہ وتطورہ، قاہرہ، الشرکۃ المصریۃ العامۃ للطباعۃ والنشر، 1983ء، ص:27-28

(3) ایضاً ص:31

(4) الامانۃ العامۃ للازہر، مجمع البحوث الاسلامیۃ، تاریخہ وتطورہ ص:71-81

(5) ایضاً ص:285

(6) الازہر تاریخہ وتطورہ ص:16، الازہر جامعاً وجامعۃ ص:20

(7) مجمع البحوث الاسلامیۃ، تاریخہ وتطورہ ص:29-30

(8) الازہر جامعاً وجامعۃ ص:49

(9) ایضاً ص:20

(10) الامانۃ العامۃ للازہر، الازہر فی عیدہ الالفی ص:8

(11) ایضاً ص:83

(12) الازہر جامعاً وجامعۃ ص:332، ومجلۃ منبر الاسلام، عدد تاریخی بمناسبۃ العید الالفی للازہر الشریف مارچ 1983ء، ص:16

(13) مجلۃ منبر الاسلام (حوالہ مذکورہ) ص:216

(14) ایضاً ص:220

(15) الازہر تاریخہ وتطورہ ص:191، 192

(16) ایضاً ص:203-204

(17) ایضاً ص:205

(18) ایضاً ص:192

(19) الازہر جامعاً وجامعۃ ص:355-356

(20) مجمع البحوث الاسلامیہ، تاریخہ وتطورہ ص:127

(21) ایضاً ص:136

(22) ایضاً ص:142

(23) عبدالمنعم النمر، الاجتہاد، دار الشروق، 1406ھ، ص:290

(24) ایضاً ص:303

(25) محمود شلتوت، الفتاویٰ، قاہرہ، دار الشروق، 1407ھ، ص:244-254

(26) سید محمد طنطاوی، الحلال والحرام فی معاملات البنوک، مصر، مارچ 1992ء، ص:46

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(27) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سود، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1981ء ص:157، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، معاشیاتِ اسلام، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 2001ء ص:6

(28) گوہر رحمان، تفہیم المسائل، مردار، مکتبہ تفہیم القرآن، جنوری 1998ء، ج2 ص:364

(29) مجلۃ المحاماۃ الشرعیۃ، قاہرہ، ج3 عدد 8 مئی 1933ء، ص:689

(30) مجلۃ الازہر، قاہرہ، ج25 عدد6 رجب 1303ھ

(31) غریب جمال، التامین فی الشریعۃ والقانون، قاہرہ، دار المعارف 1985ء ص:212

(32) عبدالمنعم النمر، الاجتہاد، ص:316-317

(33) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، معاشیاتِ اسلام ص:408

(34) اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا، مجلۃ فقہ اسلامی ص:524

(35) رابطۃ العالم الاسلامی، قرارات المجلس الفقہی الاسلامی، مکہ مکرمہ، جنوری 1985ء القرار الخامس ص:43

(36) اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، بیمہ وقوانین بیمہ، 1984ء ص:6

(37) محمود شلتوت، الفتاویٰ ص:306

(38) حسنین محمد مخلوف، فتاویٰ شرعیۃ، قاہرہ، دار الاعتصام، ج2، ص:94

(39) دار الافتاء المصریہ، الفتاویٰ الاسلامیۃ، قاہرہ، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ، 1403ھ، ج:6، ص:229

(40) مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، ریاض، ج:1، عدد:3، رجب۔رمضان 1393ھ ص:165

(41) مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، لاہور، پروگریسو بکس، 1991ء، ج:2، ص:126-127

(42) گوہر رحمان، تفہیم المسائل، ج:1، ص:166

© rasailojaraid.com